عائشہ واجد

فاطمہ جناح ویمن یونیورسٹی، راولپنڈی

ڈاکٹر فرحت جبیں ورک

صدر شعبہ اُردو، فاطمہ جناح ویمن یونیورسٹی، راولپنڈی

شعرِ اقبال میں شاہین و کرگس اخلاقی و مذہبی اقدار کی ترجمان علامتیں

The Symbolic Moral and Religious Signs of Eagle and Vulture in Iqbal’s Poems.

The poetry of Allama Iqbal, at the end of the nineteenth century, not only blew new life of positive character in the consciousness of that era but also emerged as confluence of cognizance in which the younger generation of past, present and future were given the lesson to fly high and refrain from lethargy in vision and efforts. Iqbal used the process of this lesson to younger generation for improving their morality and to act upon the practical role of the firm faith. Even at present, while his concept of eagle (Shaheen) is popular, the symbol of vulture (Kargus) is helpful in putting the moral values of the society at the right religious angles. In this article, while discussing the symbols of eagle (Shaheen) and vulture (Kargus) in the context of Iqbal’s poetry, attainment of positive ethical and religious values are discussed for accomplishing the restoration of positive moral values at the present time.

Key Words: *Poetry, Character, Consciousness, Emerged, Confluence, Cognizance, Effors, Younger Generation, Ethical.*

قوموں کی زندگی میں تمدنی تبدیلیاں، سماجی ردوبدل ہمیشہ سماجی انقلاب کا محتاج و مشتاق رہا ہے۔ سماجی انقلاب، اپنی منفی قدروں اور منفی روایات کی نفی کر کے مثبت رویوں اور رجحانات کو پروان چڑھانے کا نام ہے۔ ایسی منفی قدریں، انسانیت و اخلاقیات کی پامالی کی بنا پر فتح یاب ہوتی ہیں اور انسانیت و اخلاقیات کی مثبت بحالی سے وقتی سناٹے پر انقلاب کی کیفیت طاری ہوتی ہے۔ بہر حال ایک سماج کے پروردہ ہونے کی بنا پر انسان کو قدم قدم پر اپنے رویوں کی پرورش کے لیے ردو قبول کے مراحل طے کرنا پڑتے ہیں۔ ردو قبول کی کشمکش و دوراہے پر انسان بہت سی اقدار کے تحفظ کے لیے بھی کوشاں ہوتا ہے۔ جیسے کہ کڑی وار انفرادی، گروہی اور خاندانی اقدار۔ ایک انسان کے لیے اپنی خواہشات کی تکمیل کرنا اولین حیثیت رکھتی ہیں۔

۱۸۵۷ء برصغیر پاک و ہند کی تاریخ میں ایک ایسا ہی انقلاب ثابت ہوا، جس نے بالآخر سماجی زندگیوں میں شعور کی اس نئی لَے کو جنم دیا جس کا خواب تک دیکھنے کی ہمت نہ تھی۔ اُس شعور و بے شعوری کے ماحول میں شعرا نے اپنے احساس و جذبے کو بذورِ قلم متحرک کر کے عوام کے لہو کو گرمایا۔ اُنیسویں صدی کے اخیر میں علامہ اقبال کی شاعری نے نہ صرف اُس دور کو شعور کی سماجی اقدار میں مثبت کردار کی روح پھونکی بلکہ اقبال کی شاعری میں ایسا شعوری عملِ پیہم ہے کہ جس میں ماضی، حال اور مستقبل کی نوجوان نسل کو اقبال نے بلند پروازی کی تلقین و کوتاہ نظری و ہمتی سے اجتناب کا درس دیا۔

اِس درس کے سلسلے کو اقبال نے نوجوان نسل کی اخلاقیات کو سُدھارنے اور یقینِ محکم کے عملی کردار کو نبھانے کے لئے برتا۔ آج بھی دیکھا جائے تو اِن میں شاہین کا تصور تو مقبول ہے ہی مگر کرگس کی علامت بھی بنیادی طور پر ہر دور کے سماج کی اخلاقی اقدار کو صحیح زاویوں پر استوار کرنے کے لئے مددگار ہے۔

اقبال کی وفات کو ۸۰ برس کا عرصہ بیت چکا ہے اس عرصے میں اُن کے فکر و فلسفہ سے حکمت و دانائی، اسلامی و اخلاقی اقدار کے مختلف پہلوؤں سے ہر بار نئے انداز سے استفادہ کیا جاسکتا ہے۔ یعنی کلامِ اقبال اُس آفاقیت کا حامل کہا جاسکتا ہے جس میں بحسابِ معانی، فی زمانہ مطالب کا بیش قیمت ذخیرہ نکلتا ہی چلا آرہا ہے۔ یہی ایک بڑے کلام کا وصفِ خاص ہے کہ وہ اپنے زمانے کا ترجمان و پُر تاثریت کا حامل ہونے کے ساتھ ساتھ گنجینۂ معانی کا وہ طلسم ثابت ہوتا ہے کہ ہر عصر اس سے ثمر بار ہوا ہے۔

اقبال نے مغربی علوم سے ضرور استفادہ کیا مگر ان علومِ جدید کو مذہب کی آمیخت کے ساتھ بڑی حکمت کے ساتھ برتا۔ وہ جدید دور کی مختلف یلغاروں سے بھی باخبر تھے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ نئے زمانے کے ارتقا کے ساتھ ساتھ نئے نئے مسائل کے حل کے لئے مردِ مومن کو نگہ بلند رکھنے کے ضمن میں قرآنی تعلیمات سے رجوع کا بھی کہتے ہیں۔ اقبال چونکہ فلسفہ و منطق سے بھی کام لیتے تھے یہی وجہ ہے کہ اُنھوں نے نئے زمانے کو عقلی دلائل سے بھی مذہبی صداقتوں سے روشناس کروایا۔ اقبال جانتے تھے کہ تاریخِ اقوامِ عالم سے بے بہرہ شارح، تدین و تقویٰ، صلاحیت و مقبولیت کے باوجود بھی شدید علمی غلطیوں میں اُلجھ سکتا ہے۔ اقبال نے جدید و قدیم طرزِ فکر کے تعامل سے تحقیق و تصنیف کے لئے قلم اٹھایا۔ جس کی مدد سے خودی کا حامل مردِ مومن عقابی نگاہ کے باعث سماجی، سیاسی، مذہبی اور اقتصادی حالات اور معاشرتی زندگی کی پیچیدگیوں کو معاصر علوم و فنون اور افکار و خیالات کی مدد سے سلجھا سکتا ہے۔ منفی رویوں کی تعلیمات کو ہر مذہب نے ناپسندیدہ فعل قرار دیا ہے۔ مذہبِ اسلام نے بھی

جدیدیت کے نام پر منفی رویوں کی ترویج کرنے والے گروہوں کو ہر گز سے تشبیہہ دی ہے۔ایسے فتنہ پرور سماج دشمن معارفِ خودی سے بے بہرہ کرگس صفت کہلاتے ہیں۔خودی فرد و اجتماع کی شاہینہ صفات میں سے ہے۔اس ضمن میں مرزا سلطان کہتے ہیں کہ: اقبال کے کلام کی ہر ہر جہت، ہر ہر فلسفہ وفکر پر دسترس وعبور رکھنے والے دانشور و حکماء نے بھی اقبال کی شاعری کی روحانی و معنوی گہرائی کا اعتراف کرتے ہوئے نئی جہات ہی تلاشی ہیں۔

اقبال کا بنیادی فکر و فلسفہ تو ہندوستانی مسلمان کو خوابِ غفلت سے جگانا تھا مگر دورہء یورپ کے بعد یہ اُس آفاقیت کا حامل ہو گیا کہ دُنیا بھر کے مسلمان و دیگر اقوام اِس کے مختلف زبانوں میں تراجم سے استفادہ کرنے لگے۔ اقبال کا سفر شعر ہمیں اعتراف و سمجھ بوجھ کی اُن حدوں تک لے آتا ہے کہ جہاں وہ ایک ناصح بنے سمجھاتے ہیں :

زمانے کے انداز بدلے گئے
نیا راگ ہے ساز بدلے گئے

کلیاتِ اقبال، ص۔(۴۵۱)

انہی بدلتے ہوئے اندازوں میں زمانے کی اخلاقی اور اسلامی اقدار کے سنگم و مطابقتوں کی جستجو کرتے ہوئے اقبال نے حیاتِ انسانی کے اطمینان و عدم اطمینان ہر دو کی توجیہات پیش کر دیں۔اقبال نے انسان اور انسانی سماج کی بقاء وصحت مندی کے لیے اپنی شاعری میں بیشمار علامتوں کو برتا ہے۔مگر "شاہین وکرگس" دو ایسی علامتیں ہیں کہ جن کی مدد سے سماج کی بنت میں معاون اخلاقی اقدار پر براہِ راست بات کی ہے۔تہذیب وثقافت اور اخلاقیات انسانی اقدار کے سرچشمے ہیں۔ تمام اقوامِ عالم میں اِن میں سے بہت سی قدریں مشترک انسانی اخلاقی اقدار پر مبنی ہوتی ہیں۔ معاشرتی اقدار افراد کے لیے ایک ایسا اخلاقی ضابطہء حیات ہے کہ جسے وہ اپنی معاشرتی زندگی کا نصب العین سمجھ کر اپنی اپنی اخلاقیات کی نشو و نما کرتے ہیں۔ آج دُنیا میں تقریباً تین ہزار معاشرے پائے جاتے ہیں اور ہر ایک جُدا مخصوص ثقافتی اقدار کا حامل ہے۔مگر کچھ اخلاقی ضابطے اور رویے ایسے ہیں کہ جن کی بنیاد پر ہم تمام دُنیا کو ایک سماج تصور کرتے ہیں۔اس ضمن میں شیخ محمد اکرام یوں رقمطراز ہوتے ہیں:

> کسی معاشرے میں روابط، سلوک، اخلاق وعادات، طرزِ بود وماندہ، رسم ورواج، حسن وجمال اور فن واظہارِ فن کے جو معیار رائج ہوتے ہیں وہی اس معاشرے کے سماجی اقدار کہلاتے ہیں۔ بعض سماجی قدریں اپنے عہد کی قریب قریب سبھی تہذیبوں میں مشترک ہوتی ہیں۔

> مگر سماجی رشتوں کی بعض غیر پیداواری قدریں بھی مشترک ہوتی ہیں۔ مثلاً راست بازی، مہمان نوازی، رحمدلی، عدل و انصاف، مظلوم کے ساتھ ہمدردی، فن کاروں کی عزت، عالم فاضل بزرگوں کا احترام، شعر و شاعری اور گانے بجانے کا شوق، شادی بیاہ کی تقریبوں میں خوشی اور غمی یا موت پر افسوس کا اظہار، یہ قدریں کم و بیش سب تہذیبوں میں رائج ہوتی ہیں۔ البتہ ان کے برتنے کے انداز اور قاعدے جداگانہ ہوتے ہیں۔ معاشرتی ماحول اور سماجی حالات میں تبدیلیاں آتی ہیں۔ ان کا اثر قدروں پر بھی پڑتا ہے مثلاً کسی زمانے میں عرب قوم میں مروت کو انسانیت کا جوہر خیال کیا جاتا تھا لیکن آج آپ کو بغداد، جدہ، دمشق، قاہرہ اور بیروت میں کہ عرب تہذیب کے مراکز ہیں، احساسِ مروت نام کو نہیں ملتا بلکہ سود وزیاں کا وہی کاروباری اور بے مروت ماحول جو دوسرے سرمایہ دار ملکوں کی سرشت ہے، اب عرب معاشرے میں بھی سرایت کر گیا ہے۔۔۔ بسا اوقات ایک ہی معاشرے میں سماجی قدروں کے مختلف پیمانے رائج ہوتے ہیں۔۔۔ اسی طرح طبقاتی معاشرے میں عام آدمیوں اور اونچے طبقوں کے لیے سماجی قدروں کے پیمانے جدا جدا ہوتے ہیں۔[۱]

یہ وہ اخلاقی ضابطے ہیں کہ جو معاشرے میں انسانی کردار کی عظمت کا وسیلہء اظہار ہیں۔ انہی اخلاقی معیاری ضابطوں کی پاسداری انسانیت کا طرہء امتیاز بنتی اور سماجی اقدار کو استحکام بخشتی ہے۔ یہی وہ اخلاقی قدریں ہیں کہ آفاقیت کی حامل ہیں۔ اخلاقی قدروں کی اِس آفاقی اہلیت کو کسی ایک خطے یا تہذیب سے مخصوص نہیں کیا جاسکتا۔ یہ حضرت آدمؑ سے لے کر عہدِ جدید تک پھیلا اور وہ بے کراں فلسفہء اخلاقیات ہے کہ جو بنی نوانسان کا مشترکہ اثاثہ کہا جاتا ہے۔ محبت، سچائی، دیانت داری، وفا شعاری، رزق حلال و حرام کا فرق، جزا و سزا کی اہمیت و تصور، قانون کی پاسداری وہ لازمی اخلاقی اقدار ہیں کہ جو معاشرتی عظمت و تحفظ کی دلیلیں ہیں۔ آج اگر دُنیا میں کچھ سماج و اقدار روبہ زوال ہیں تو اُس کی بڑی وجہ اخلاقی اقدار کو پسِ پشت ڈالنا اور بے دردی سے روندھنا ہے۔ وہ سماج یا قومیں جو اخلاقی اقدار سے بے بہرہ ہونے کا ناٹک کرتی ہیں وہ روحانی طور پر بنجر اور بے ضمیری کا شکار ہوتی ہیں۔ شعر اقبال میں ہر دو معاشرے کی نشاندہی و تربیت کی گئی ہے۔ ایسا سماج کہ جہاں انسانیت کا احترام، انسانی فلاح و بہبود کے کاموں کی حوصلہ افزائی، بھائی چارے، سچائی، رواداری، امن و انصاف ہو، وہ سماج اور اُس کے افراد "شاہین" صفات کے حامل

ہوں گے اور وہ سماج جہاں اِس کے منافی اقدار پنپ رہی ہوں وہ اخلاقی گراوٹ کا شکار سماج "کرگسی" صفات کا پروردہ ہو گا جو کہ بلآخر انتشار کا شکار ہو کر سماج کی ریڑھ کی ہڈی کو ضرب کاری لگانے کا باعث بنتا ہے۔

اقبال نے شاہین اور کـــــــرگس کی جن خصائلِ مخصوصہ کو سماجی اخلاقی اقدار کی تعمیر و تخریب سے مماثلت دی ہے اُن میں خودداری، بلند پروازی، تیز نگاہی، سخت کوشی و تن آسانی، کمزوری و طاقتوری، حلال و حرام کی تمیز، قناعت و ہوس پسندی شامل ہیں۔ جن کی تعمیر اسلامی اصولوں کے مطابق ہونے میں ہی مسلم معاشرے کی تعمیر اور انسانی معاشرے کی بقا پوشیدہ ہے۔ شعر اقبال کے آئینے میں جدید انسان کی ترقی کا جائزہ لیا جائے تو ہم بخوبی محاسبہ کر سکتے ہیں کہ شاہین کی خودی رکھنے والا جدید انسان، آرام و آسائش، بہترین تعلیم کے حصول، کی خاطر کتنی ہی اخلاقی قدروں کا گلا گھونٹ کر جدیدیت کا حامل کہلایا ہے۔ شاہین کی خودی کا پروردہ نوجوان مردِ مومن تو ایسی خودداری کا حامل تھا کہ وہ اس بات کا ادراک رکھتا تھا کہ "جہاں ہے تیرے لیے تو نہیں جہاں کے لیے" تبھی تو اقبال نے مردِ مومن کو شاہین سے مماثل قرار دیتے ہوئے شاہین کی خودی کی داستان یوں رقم کی تھی۔

کیا میں نے اِس خاکداں سے کنارا
جہاں رزق کا نام ہے آب و دانہ		کلیاتِ اقبال، ص۔(۹۵،۹۶)

اقبال کی دور رس نگاہ نے آئیندہ زمانوں کے نفس کی ذہنی پریشانیوں، نفسیاتی اُلجھنوں اور اضطرابِ قلب کی توجیہات بھی جان لی تھیں۔ تبھی تو اُسے مغرب کے فتنے سے پہلے ہی خبردار بھی کر دیا تھا۔ اقبال آگاہ تھے کہ مغرب بظاہر بہت ترقی یافتہ ہے اسی بنا پر وہ نوجوانوں کو یہ آگہی بھی دینا چاہتے تھے کہ فرنگی تہذیب کرگس کی طرح کمزور و بے حس ہے۔ یہ وہ تہذیب ہے کہ جو اخلاقی اقدار اور مذہبی تعلیمات کو پس پشت ڈال کر دوسروں کی مجبوریوں کو کیش کرتی ہے۔ مسلمان اُمہ کو اخلاقی اقدار کی بربادی سے بچانے کے لیے وہ مسلمانوں کو کرگس کی جبلی نفیءِ خودی سے یوں آگاہ کرتے ہیں:

کرگساں رسم و دیگر است
سطوت پرواز شاہین دیگر است		کلیاتِ اقبال، ص۔(۷۹۵)

اقبال کا شاہین، بلند پروازی کا قائل جبکہ کرگس کی پرواز مردار ڈھونڈنے کے لیے، نیچی رہتی ہے۔ ایک حرکت کا قائل جبکہ دوسرا کوتاہ ہمتی بزدلی کی دلیل ہے۔ تبھی تو اقبال نے شاہین اور کرگس کا جہاں اور، اور متعین کیا ہے۔ اقبال کے شاہین و کرگس کے تصورات کو مدِ نظر رکھا جائے تو آج مشینی اقدار کے مارے ہوئے

انسان نے انسانیت میں اخلاقیات کی روح کو زائل کر کے خود کو تنہائی و اکلاپے کا شکار کر لیا ہے۔ اُس نے صنعت و ٹیکنالوجی کو اول آخر سماجی قدریں جان کر اپنی دُنیا کو محدود اور لالچ و ہوس کو لامحدود پھانس بنالیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نوجوانوں میں بلند پروازی کی جگہ کوتاہ ہمتی نے ڈیرے ڈال لئے ہیں۔ ہمارے آج کے نوجوان میں یہ احساس زیاں ہی نہیں رہا کہ مشینی دور کی ایجادات، فسادات کا پیش خیمہ ثابت ہو رہی ہیں اور انسان باطناً کرگس شبیہہ ہو چکا ہے۔ اقبال اِسی المیے کی طرف یوں اشارہ کرتے ہیں۔

وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا　　　　کلیاتِ اقبال، ص۔(۲۱۴)
تیرے صوفے ہیں افرنگی ترے قالین ہیں ایرانی
لہو مجھ کو رلاتی ہے جوانوں کی تن آسانی　　ایضاً۔ص، (۴۴۷)

افسوس اِس امر پر ہے کہ مسلمان نوجوانوں کا کارواں، لاحاصلی کے سفر رائیگاں پر ایسا گامزن ہوا ہے کہ آج وہ شاہین کی بجائے کرگس کی مانند گزرارن کا قائل ہے۔ اقبال کے تصوراتِ شاہین و کرگس ضابطہء اخلاق کی ترجمانی بزبان ظاہر و باطن کرتے ہیں۔ شاہین اور کرگس دونوں کی نگاہ تیر ہے مگر نگاہ کے ظاہر و باطن کا فرق واضح ہے۔ کرگس کی نگاہ صرف ظاہر کا احاطہ کرتی ہے جبکہ شاہین کی نگاہ باطن کے اسرار و رموز سے بھی آشنائی رکھتی ہے۔ بقول عزیز احمد: "شاہین کی وسعت پروازی اس کی نظر کو بھی وسعت دیتی ہے۔ دُنیا کے مظاہر اس کی متجس آنکھ پر یوں کُھل جاتے ہیں جیسے انسانِ کامل کی نظر پر زندگی کے تمام احوال و مقامات کھلتے ہیں۔"(۲)

مردِ مومن نے اپنی بلند نگاہی کی بدولت کائنات کے اسرار و رموز تک رسائی حاصل کی ہے مگر آج کے اِس میکانکی و وحشی دور نے انسان کا انسانیت سے رشتہ اِس طرح توڑا ہے کہ جو بلاآخر معاشرے کے لیے ایک ناسور بنتا جارہا ہے۔ اقبال نے اِسی اندیشے کی طرف یوں اشارہ کیا ہے :

نگہ اُلجھی ہوئی ہے رنگ و بو میں
خرد کھوئی گئی ہے چار سو میں　　　　کلیاتِ اقبال۔ ص (۴۰۸)

شاہین اپنی بلند و تیز نگاہی کی نگاہی کی بناپر تسخیر کائنات پر تو آمادہ ہوتا ہے مگر دوسروں کو لوٹ کھسوٹ کر نہیں۔ دوسری طرف کرگس یعنی یورپی اقوام چاند ستاروں پر کمندیں ڈالنے کے ساتھ ساتھ دوسروں کی کمزوریوں سے فائدہ اُٹھا کر عراق اور شام جیسی مثالیں بناتے ہیں۔ اقبال کے نزدیک شاہینی میں کرگسی نوالہ حرام کاری ہے اور

حرام کار" کرگس" کی مانند ہے۔ ایسی باطناً کمزور قومیں اخلاقی اقدار کے عالمی پیمانوں کی روگردانی کر کے انسانیت کے شرف سے گر چکی ہیں۔ اقبال ایسی ہی اقوام کا راز یوں فاش کرتے ہیں۔

بہت مدت کے نخچیروں کا اندازِ نگہ بدلا

کہ میں نے فاش کر ڈالا طریقہ شاہبازی کا　　　　کلیاتِ اقبال، ص۔ (۳۶۸)

کرگس کی علامت ہر اُس شخص اور قوم کے لیے مستعمل ہے کہ جو دوسروں پر انحصار کرتے ہوئے اپنی قوتِ بازو کی نفی کرتے ہیں۔ یا ہر اُس قوم کے لیے جو حلال و حرام میں تمیز کھو دیتی ہے۔ اُس میں اقوامِ مغرب کا شمار تو ہوتا ہی ہے مگر ساتھ ہی ساتھ اقبال کے دور کے زوال پذیر مسلمان بھی ہیں جو اپنے تیئں کمزور سمجھتے ہوئے انگریز کی غاصبانہ اقتدار کو قبول کر چکے تھے۔ اقبال کی شاعری میں شہباز و شاہین کی پہلی نمو پہلی جنگ عظیم کے وقت میں ہوئی۔ اقبال نے مسلمانوں کو خوابِ غفلت سے بیدار کرنے کے لیے اِس علامت کا سہارا کیوں لیا اُس کی توجیہہ وہ یوں بیان کرتے ہیں کہ: "شاہین کی تشبیہ محض شاعرانہ تشبیہ نہیں ہے اس جانور میں اسلامی فقر کی تمام خصوصیات پائی جاتی ہیں (۱) خوددار اور غیرت مند ہے، کسی کا مارا ہوا شکار نہیں کھاتا۔ (۲) بے تعلق ہے کہ آشیانہ نہیں بناتا۔ (۳) بلند پرواز ہے (۴) خلوت نشین ہے (۵) تیز نگاہ ہے۔"(۳) دوسری طرف اسلامی و اخلاقی اقدار کا احاطہ کیا جائے تو وہ ہو بہو اقبال کے شاہین کے مماثل ہیں۔ پختہ یقینی، مقصدیت، گداگری کو معیوب سمجھنا، حرکت و عمل / خودی کی حفاظت، یہ وہ تمام ضابطہء حیات ہیں کہ انسانی حیات کی روحانی غذا قرار پاتے ہیں۔ اور اِسے تکمیلی صورت میں فقر کہا گیا ہے۔

بقول اقبال:

نگاہِ فقر میں شانِ سکندری کیا ہے

خراج کی جو گدا ہو وہ قیصری کیا ہے　　　　کلیاتِ اقبال، ص۔ (۳۷۹)

شعر اقبال میں ماضی کا احوال اور حال و مستقبل میں اخلاق، مذہب اور سماج کے لئے کامیابی کی دلیلیں ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ صنعتی معاشرے کی میکانکی اقدار نے انسانیت کو عقلیت و معروضیت کے ایسے عفریت تلے دبا دیا ہے کہ اُس کے جذبات و احساسات کا خون ہو رہا ہے۔ جذبات و احساسات کی جگہ جس عقلیت نے لی ہے اس سے دلوں کے رابطے منقطع اور وسوسوں سے لبریز ہوئے ہیں۔ یہ بجا ہے کہ مقصدیت کے بغیر زندگی بیکار ہے۔ مقصدیت سے ہی حیات رواں و سازگار ہے اور اِس کے بغیر زندگی ایسے ہی ہے جیسے روح کے بغیر جسم۔ مگر

مقصدیت کی تکمیل میں اگر بے ضمیری پیدا ہو جائے تو انسانی زندگی، اداسی، پژمردگی، خودکشی، بیزاری اور محرومی کے احساسات کو جنم دیتی ہے۔

سید عابد علی عابد، اقبال کے شاہین کے فقر و درویشی کی وضاحت یوں کرتے ہیں کہ: "شاہین سے اقبال انسانِ کامل کے فقر کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ اس فقر سے مراد ترکِ دُنیا نہیں بلکہ وہ استغنا ہے جو دُنیاوی جاہ و جلال اور دنیاوی خوف سے بے نیاز ہو کر طالب اور جستجو کی منزلیں طے کرتا ہے اور آخر تسخیرِ کائنات تک پہنچتا ہے۔" [۴] عصر حاضر میں ان قدروں کے انحطاط و زوال نے انسانی اخلاقیات کو بُری طرح سے پامال کیا ہے۔ انسان دُنیاوی آسائشوں کے حصول کے لیے ایسا کوشاں و سرگرداں ہوا ہے کہ حلال و حرام کی تمیز بُھول بیٹھا ہے۔ یہ اخلاقی قدر تمام دُنیا کی مشترکہ قدر ہے کہ اپنے سُکھ کے لیے دوسروں کے لاشے بچھانے سے گریز برتا جائے مگر حقیقت اس کے منافی ہے۔

انسانی حرکت و عمل، ترقی و خوشحالی کے حصول کے لیے کرگس نما بن بیٹھا ہے اور فقر و درویشی کی راہ ترک کر کے اخلاقی بے راہ روی کا مرتکب ہو رہا ہے۔ تبھی اقبال نے "شاہین" کو بطور علامت استعمال کرتے ہوئے انسانِ کامل کا تصور مکان اور آرائش و آرام کی آلائشوں سے مبرا پیش کیا ہے اور کلامِ اقبال کے حوالے سے اندازہ ہوتا ہے کہ فکرِ معاش کے جھنجھٹوں میں پڑ کر ہوا و ہوس کا شکار ہونا اُمتِ مسلمہ کو زیب نہیں دیتا۔ بقول ڈاکٹر خالد اقبال یاسر: "شاہین کی صفات میں خودداری اور غیرت ایسی صفات ہیں جو تمام زندہ اقوام میں پائی جاتی ہیں مگر بے آشیانی کا تصور صرف امتِ مسلمہ سے مخصوص ہے۔ مسلم فکر میں زمینی رشتہ اہمیت نہیں رکھتا بلکہ اصل اور بنیادی اہمیت عقیدے کی ہے۔" [۵] آج اِنہی علامات (جو مکمل ضابطہء اخلاق ہونے کے ساتھ ساتھ اسلامی طرزِ حیات کی بھی عکاس ہیں) سے درس و ہدایات کی ضرورت ہے۔ مسلم طرزِ حیات ہی اخلاقی اقدار کا ترجمان ہے مگر افسوس کہ ہم نے دیگر قوموں کو درس دینے کی بجائے اُن کے طرزِ حیات پر عمل پیرا ہو کر سماجی اقدار کو باہم متصادم کر دیا ہے۔
سید عابد علی عابد نے اقبال کے شاہین کی غیرت مندی کو دیگر اقوام کی کرگسی اقدار سے یوں ممیز کیا ہے: "خودداری اور غیرت مندی تو تمام زندہ اقوام کا خاصہ ہے البتہ جو بات ہے کہ شاہین آشیانہ نہیں بناتا اور بے تعلق ہے ایسی رمز جس کا تعلق خاص امتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے۔" [۶]

شعر اقبال سے اِس تصور کی ترجمانی یوں ہوتی ہے :

پرندوں کی دُنیا کا درویش ہوں میں
کہ شاہیں بناتا نہیں آشیانہ　　کلیاتِ اقبال، ص،(۴۹۵)

شعرِ اقبال کے تناظر میں مشترک عالمی اقدار پر نگاہ کی جائے تو شاہینی صفات کی حامل مسلمان اقوام نے دُنیا پر اُس وقت تک حکومت کی جب تک کہ وہ حرص و ہوس کا شکار نہیں ہوئے۔ موجودہ دور ٹیکنالوجی کا وہ دور ہے کہ جس میں بزرگ کا احترام تو کجا اُس کا گھروں میں وجود باعثِ رحمت کی بجائے باعثِ زحمت تصور کیا جانے لگا ہے۔ مغربی سماجی اقدار کے پیروکار مسلم معاشروں میں بھی "Old People Home" جیسی بے حسی کو متعارف کروا رہے ہیں۔ یہ وہ کرگسی ہتھکنڈے ہیں کہ جس کی وجہ سے صنعتی دوڑ میں شامل مسلم سماج شاہین صفات کے تضاد "کرگس" کی طرح باطنی طور پر کھوکھلے ہو گئے ہیں ۔اُن کے کردار اور گفتار میں کھوکھلا پن پیدا ہو رہا ہے۔کرگس جسے قدرت نے کمزور چونچ عطا کی ہے

وہ اِسی بنا پر پست حوصلوں کا مالک ہے اور گلے سڑے گوشت یعنی مردار پر اکتفا کر لیتا ہے۔ دوسری طرف شاہین مضبوط چونچ اور کردار کا مالک دکھایا گیا ہے۔ اقبال مسلمان اُمہ کو اسی طرز کے اخلاق و کردار کی دعوت دیتے ہیں۔ ہمارے موجودہ صنعتی دور میں نوجوان نسل اور والدین روایتی و اخلاقی اقدار کے حصول و وصول کی منتقلی میں اگر اپنے تئیں ناکام سمجھتے ہیں تو اُس کی وجہ کرگس کی طرح مردار یعنی رزقِ حرام کی تگ و دو ہے۔ یہی کرگس (کمزور) اور شاہین (مضبوط) صفات کے حامل کی دنیاؤں کا فرق ہے۔ بقول عزیز احمد: "مردار خور کرگس کا ارتقائی راستہ دوسرا ہے اور شاہین کا راستہ دوسرا ہے۔"[۷] رزقِ حلال و حرام میں کوئی فرق نہ سمجھنا ایسی رزالت ہے کہ جس سے انسانی اخلاقیات بھی گلی سڑی ہیت میں سامنے آتی ہیں۔ عزیز احمد اس کی مزید وضاحت یوں کرتے ہیں کہ:" کرگس کو مردار کھانے کے باعث قابلِ نفرت گردانا جاتا ہے گدھ ایسے انسانوں کی علامت ہے جو مردار کھاتے ہیں اور شرفِ انسانیت سے مرتبہ حیوانیت میں گر جاتے ہیں"۔[۸] مردار ہی بنیادی طور پر رزقِ حرام کی علامت ہے اور اقبال نے اخلاقیات اور زندہ ضمیر کے لیے نوجوان کو زندہ شکار یعنی رزقِ حلال کی تلقین کی ہے۔ جس طرح جسمانی طور پر مردار گلا سڑا ہوتا ہے وہ انسانی وجود کا حصہ بن کر اُس کی روحانیت و ضمیر کو بے ضمیر بنا کر انسانی شرف سے بے بہرہ کر دیتا ہے۔

بقول اقبال :

نگاہِ عشق دلِ زندہ کی تلاش میں ہے !

شکارِ مردہ سزاوارِ شاہباز نہیں　　　　کلیاتِ اقبال، ص۔(۳۳۶)

یہ رزقِ حرام کی طلب ہی ہے کہ جو اور بہت سی اخلاقی بے راہ رویوں کا شکار بناتی ہے۔ سب سے پہلے انسان کرگس کی طرح ہوس پسند ہو جاتا ہے اور یہ ہوس پرستی اُسے ہر آلائش سے داغ دار کرتی ہے اور صحبتِ بد اپنانے پر مجبور کر دیتی ہے۔ اقبال نے مسلمانوں کا زوال آنکھوں سے دیکھا تھا۔ وہ بخوبی جان گئے تھے کہ بے جا خواہشات نے انسان کو کرگس بنا دیا ہے اور وہ اپنی اقدار سے کٹ کر مغربی تہذیب کی مادیت پرستی میں غوطہ زن ہو رہا ہے۔ جبکہ ہماری اسلامی و اخلاقی اقدار ہمیں حلال و حرام میں تمیز سکھاتی ہے۔

اقبال اسی کی ترجمانی یوں کرتے ہیں کہ :

اے طائرِ لاہوتی اُس رزق سے موت اچھی

جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی　　　　کلیاتِ اقبال، ص۔(۳۴۸)

رزقِ حرام کے فروغ کے نتیجے میں ہمارا معاشرہ جس بے راہ روی کا شکار ہو رہا ہے اس سلسلے میں طاہر مسعود کہتے ہیں: "انفرادی سطح پر فرد اور اجتماعی سطح پر معاشرہ اخلاقی اور روحانی زوال سے اس لیے دوچار ہے کیونکہ رزقِ حرام کو فروغ مل رہا ہے۔"[۹] ہماری مذہبی و اخلاقی اقدار ہمیں حلال و حرام میں تمیز کا واضح پیمانہ سمجھاتی ہیں مگر ہم، صد افسوس کہ شاہین بننے کی بجائے صرف خواہشاتِ نفسانی کے غلام کرگس بننے میں لذت محسوس کرتے ہیں۔ اقبال کی بیسویں صدی میں کہی گئی باتوں اور حکمتوں کو آج کے دورِ جدید میں پرکھیں تو ہم بخوبی دیکھ سکتے ہیں کہ نئی نسل مغربی ترقی کی دوڑ میں ایسی مصروفِ عمل ہے کہ آج ہماری اخلاقیات، ذہنی پراگندگی کی بنا پر مختلف منفی رویوں کی صورت میں زخمی شاہین کی طرح فریاد کر رہی ہے۔ سماج میں مایوسی، تنہائی اور ذہنی دباؤ عام ہوتا جا رہا ہے۔

سرمایہ دارانہ و کرگسی نظام کا جال پھیلا کر اقوامِ مغرب نے ہماری نوجوان نسل کے رگ و پے میں اخلاقی اقدار کی بیخ کنی کو رواج دیا ہے۔ جس کے نتیجے میں نئی نسل شہباز و شاہین بچہ بننے کی بجائے ایک کرگس کی طرح اخلاقی اقدار سے بے پرواہ اور بے خبر، بے راہرو ہو کر اخلاقی پستی کے اندھیرے غار میں اتر رہی ہے۔ جہاں سے واپسی اس ٹیکنالوجی کے جدید دور میں کسی مردِ مومن کے ہی بس کی بات ہو گی۔ یہ ٹیکنالوجی کسی کرگس کی صحبت سے کم نہیں کہ جس نے ہمارے آج کے نوجوانوں کو فیس بک، یوٹیوب اور جانے اور مزید کن کن ہتھکنڈوں کے

ذریعے اصل مقصد سے دور کر دیا ہے۔ آج کی نوجوان نسل کی یہ جدید صحبتیں، اُسے بزدل و کم ہمت و حرص و ہوس کا غلام بنا رہی ہیں

وہ فریب خوردہ شاہین کہ پلا ہو کرگسوں میں
اُسے کیا خبر کہ کیا ہے راہ و رسمِ شاہبازی　　　　کلیاتِ اقبال۔ ص۔(۳۵۵)

اخلاقی اقدار و مذہبی دائرہ کار و نظام کے نسل ہا نسل منتقلی کے تسلسل میں جو رکاوٹ پیدا ہوئی ہے تو وہ سب ہماری سماجی اقدار میں کرگسی اقدار کی منتقلی ہے۔ جس کی دلدل میں ہمارا سماج، خاندان اور افراد بُری طرح دھنستے جا رہے ہیں۔ آج ہمیں اقبال کے اُس "شاہین" کی صفات کو خود بین میں ڈھالنے کی ضرورت ہے کہ جو سماج کی اخلاقی اقدار کے سُدھار کا باعث بنے اور اُس کی طاقت کا مقصد کُل سماج میں اخلاقی اقدار کا احیاء ہو۔ خالد اقبال یاسر، اقبال کے شاہین کی مثبت قوت کو یوں بیان کرتے ہیں کہ "اقبال کا شاہین قوت کی علامت ہے لیکن اس کا مقصد کمزوروں کو دبانا ہر گز نہیں ہے بلکہ باطل قوتوں کے ساتھ ٹکرانا ہے۔"[۱۰]

دوسری طرف عزیز احمد کلام اقبال کی روشنی میں آج کے نوجوان کی اصلاح کے لیے " کرگس" کے منفی کردار پر یوں روشنی ڈالتے ہیں کہ:" کرگس فضاؤں میں پھرتا رہا لیکن دورانِ ارتقاء وہ کسی ایسی اندھیاری گلی میں بھٹک گیا اور اِسے شکار تازہ کی لذت سے محروم ہونا پڑا۔"[۱۱] ہماری اسلامی و اخلاقی اقدار نوجوان نسل اور سماج کو ایسی ہی اندھیاری گلی میں بھٹکنے اور بے راہ روی سے بچنے کا درس دیتی ہیں۔ ہم نے آج مادہ پرستی، لالچ، حسد اور طاقت کی خواہش کی تکمیل کے لیے منفی قدروں کا چناؤ کر کے مثبت اخلاقی اقدار کو پسِ پشت ڈال دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج انسان کے باطن کا عکس اُس کے ظاہر پر بھی بجا طور پر دیکھا جاسکتا ہے۔ ڈاکٹر حسرت کا سگنجوی کرگسی ظاہری بشرے کی نشاندہی یوں کرتے ہیں:"ہر وہ شخص جس کی روح میں حرام مال پہنچ رہا ہے وہ چہرے بشرے سے راجا گدھ بن جاتا ہے۔ اُس کی آنکھیں دھنسی ہوئیں، چہرہ سبزی مائل پیلا، بال بکھرے ہوئے اور ہڈیاں نمایاں ہوتی ہیں۔ روح کا حرام کھانے والا ہزاروں میں پہچانا جاتا ہے۔"[۱۲] دورِ حاضر کا مسلمان، مسلمان کو نوچ رہا ہے۔ ایک گلی محلے یہاں تک کہ ایک گھر میں رہنے والے ایک دوسرے کو دھوکہ و فریب دیتے ہیں۔ نیز سماج میں ہر طرف نفسانی خواہشات کی تکمیل کی دوڑ دھوپ میں مگن سماج یہ بھول چکے ہیں کہ ہم اخلاقی اقدار کے انحطاط و بالآخر دیوالیہ پن کی داستان سماجی دیوالیہ پن کے لئے رقم کرنے میں منہمک ہیں۔

شعر اقبال کی روشنی میں ہمیں کرگسی اقدار کی ترویج کی بجائے "شاہین" کے مثبت تصور سے معاشرتی، خاندانی اور انفرادی سطح پر اسلامی اقدار کے احیاء کی ضرورت ہے تا کہ مثبت اخلاقی اقدار کا احیاء ہو سکے۔

حوالہ جات

۱۔ محمد اکرم، شیخ، ثقافتی ورثہ کی نوعیت، مشمولہ پاکستانی ثقافت، مرتبہ: ڈاکٹر رشید امجد، اکادمی ادبیات پاکستان، اسلام آباد، ۱۹۹۹ء، ص۔۷۶تا۷۲

۲۔ عزیز احمد، اقبال نئی تشکیل، گلوب پبلشرز، لاہور، ۱۹۶۸ء، ص۔۲۵۶

۳۔ عطاء اللہ، شیخ، اقبال نامہ، شیخ محمد اشرف کتب، لاہور، ۱۹۴۵ء ص۔۴۲۹۔۴۲۸

۴۔ عابد علی عابد، سید، شعر اقبال، اقبال اکادمی، لاہور، ۱۹۹۰ء، ص۔۴۲۹۔۴۲۸

۵۔ خالد اقبال یاسر، ڈاکٹر، جدید تحریکات اور اقبال، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، ۲۰۱۵ء، ص۔ ۴۳۲

۶۔ عابد علی عابد، سید، شعر اقبال، ص۔۴۳۰

۷۔ عزیز احمد، اقبال نئی تشکیل، ص۔۲۵۹ء

۸۔ سعید احمد، داستانیں اور حیوانات، مقتدرہ، قومی زبان، اسلام آباد، ۲۰۱۲، ص۔۲۱۹

۹۔ طاہر مسعود، یہ صورت گر کچھ خوابوں کے، مکتبہ تخلیقی ادب، کراچی، ۱۹۸۵ء، ص۔۲۸۸

۱۰۔ خالد اقبال یاسر، ڈاکٹر، جدید تحریکات اور اقبال، ص۔۳۰۷

۱۱۔ عزیز احمد، اقبال نئی تشکیل، ص۔۲۶۰

۱۲۔ حسرت کاسگنجوی، ڈاکٹر، ادب، علمی اور فکری زاویے، نفیس اکیڈمی، کراچی، ۱۹۹۲ء، ص۔۳۱۸